مولانا حیدر علی مینوی*

یادوں کا چمن

دودن کی زندگی ہے یہاں اپنی خوشی سے کوئی آتا ہے نہ اپنی خوشی سے جاتا ہے، موت وحیات کے مالک نے اس زندگی کو امتحان قرار دیا ہے۔" الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم" (الایۃ)

امتحان بھی ایسا ہے جو عام بندگان خدا ہی کا نہیں، روئے زمین کے مقدس ترین لوگ انبیاء علیہم السلام کا بھی ہوا" واذابتلی ابراھیم ربہ بکلمۃ فا تمھن" یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ کے رب نے اس کو کچھ باتوں میں آزمایا اور اُن باتوں کو ابراہیمؑ نے پورا کیا، جس کے نتیجے میں ابراہیمؑ کو ساری دنیا کا امام بنادیا، امتحان کی بھٹی سے سب نے گذرنا ہے۔ صحیح سلامت ہمیشہ مومن نکلتے رہیں، ایک لمبی تاریخ ہے کئی صدیوں پر مشتمل ہے عشق وفا کا ایک نہ ختم ہونے والا باب ہے، اچھے نمبروں سے پاس ہونے والوں کے لئے مشکوٰۃ نبوت سے مژدہ آفرین .....

آولئك الذین اردت غرست کرامتھم بیدی وختمت علیھا فلم ترعین ولم تسمع اذن ولم یخطر علی قلب بشر، یہ وہ لوگ ہے جن کو میں نے منتخب کرلیا ہے اور میں نے ان کی شرافت وکرامت پر مہر لگادی ہے۔ (جس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوگی) نہ اس کو کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا خیال گزرا ہوگا اور میرے اللہ نے فرمایا" فلاتعلم نفس مااخفی لھم من قرۃ اعین" (الایۃ) راہ حق کے اس قافلے سے دودن پہلے میرے استادِ محترم حضرت مولانا ابراہیم فانی صاحبؒ بچھڑے گئے، اس درد اور غم کے بیان کے لئے وہ اپنے ساتھ لکھنے والا قلم بھی لے گئے، حضرت سے میرے تلمذ اور تعلق کی نسبت ایک عشرہ قبل ۲۰۰۳ء میں اُس وقت ہوئی جب میں نے درجہ خامسہ کیلئے دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لے لیا، جدید طالب علم ہونے کیوجہ سے مجھے اُن سے کوئی تعارف نہیں تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس سال حضرت فانی صاحبؒ کا ہمارے کلاس کے ساتھ حسامی کا پیریڈ تھا۔ اُصول فقہ کی یہ مشہور کتاب ایک خالص علمی شخصیت کے پاس ہونا نہایت موزوں تھا۔ ابتدائی دن گزرنے لگے تو فانی صاحبؒ سے تعلق خاطر بڑھتا گیا۔ وہ اپنی ذات میں انجمن تھے قادرالکلام شاعر، بے باک تبصرہ نگار، صاحب طرز ادیب، صحافت کی ترکش سے مستعار لئے ہوئے لب ولہجہ کے مالک، ایک رحمدل اور شفیق استاد، ظرافت طبعی اتنی کہ کبھی اُن کے کلاس میں غبی طالب علم کو بھی اکتاہٹ محسوس نہ ہوتی، کلاس میں آنے کا ایک خاص

* مدیر "الداعی" دارالعلوم رحمانیہ مینی صوابی

انداز ہوتا سیدھا مسند پر جاتے کسی کو دیکھے بغیر متعلقہ جگہ سے درس کا آغاز ہوتا، درس کیا ہوتا.....اللہ اکبر.....نسیم وصبا قربان ہونے کے لئے مچلتے ،مشکل ترین جگہوں کو چٹکلیوں میں حل کرنے کا جیسے آپ کو دودھ پلایا گیا ہو۔خشک مباحث کو اپنی طبعی ظرافت سے ایسا رنگین بناتے کہ کبھی بوریت کا احساس نہیں ہوتا، دوران درس اپنے تخلیقی اشعار بھی سناتے جس سے ماحول کشت وزعفران بن جاتا، واہ واہ کے نعرے بلند ہوتے ،خوشی اور سرور میں ایک دوسرے پر کودنے اور لوٹنے پوٹنے کا ماحول بن جاتا۔ ہمارے ہاں مدارس میں استاد کے سامنے بیٹھنے کا ایک خاص دائرہ ہوتا ہے جس سے تجاوز کی اجازت نہیں ہوتی ،اس معاملے میں فانی صاحب کو بالکل جدا پائے ان کے ہاں ایسا کوئی ضابطہ نہیں دیکھا ،کھل کر اظہار خیال کا موقع دیا جاتا، طالب علم کی تنبیہ ہوتی تو وہ بھی کسی لطیفے کے ضمن میں ، یا شعر کے چٹکی سے ،میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔منطق کی کتاب قطبی میں دلالت مطابقی اور تضمنی کے بحث میں مصنف نے توسط کی قید لگائی ہے، مجھے اُس میں ابہام پیدا ہوا اور خیال گزرنے لگا یہ قید نہیں لگانی چاہئے تھی .....خیر میں نے ایک چٹ پر اپنا سوال لکھا، استاد جی نے چٹ پڑھی کتاب سے نگاہ اُٹھا کر طالب علموں کی طرف دیکھ کر میرے سوال کے بارے میں لطیفہ سنایا، فرمایا حجام کے پاس کوئی شخص بال منڈوانے بیٹھ گیا تو حجام سے کہنے لگا یہ بتاؤ میرے سر پر کتنے بال ہونگے ۔حجام نے کہا بس تھوڑا سا انتظار .....اب بال تیری جھولی میں پھینک دونگا خود گن لینا ،فرمایا جو سوال چٹ پر لکھا گیا ہے دو تین دن بعد اُس کا جواب آرہا ہے، مولانا فانی کے طنز ومزاح کا اپنا منفرد انداز تھا آپ کا ڈھنگ ڈول دیکھ کر یہ اندازلگانا قطعاً مشکل تھا کہ یہ درویش خدامست اور فقیر انسان جامعہ حقانیہ جیسی یونیورسٹی کے استاد حدیث ، بیک وقت چار زبانوں پر عبور اور ان پر قابل قدر مجموعہ کلام ،کئی علمی کتابوں کے مصنف ،مورخ ،سوانح نگار اور اعلیٰ درجہ کے مدرس ہے ۔زمانہ طالب علمی میں اس فقیر کو اللہ تعالیٰ نے حضرت کی صحبت میں بیٹھنے اور موتیاں چننے کا موقع نصیب کیا ،ظہر کے بعد حضرت کے دولت کدے پر حاضر ہوتا ، دروازے کو دستک دیتا مولانا خود آکر دروازہ کھولتے ،اور میں حضرت کی باتوں کا رخ کسی موضوع کی طرف موڑ دیتا ان کی معلومات میں سمندر کی سی گہرائی تھی ،غضب کا حافظہ لائے تھے ۔ایک دفعہ میں نے ہندوستان کے مشہور عالم ابوحنیفہ ہند علامہ عبدالحی لکھنویؒ کے بارے میں پوچھا، اس دن مجلس کا موضوع مولانا عبدالحی لکھنویؒ تھے ۔خاندانی پس منظر، علمی منازل کا ارتقاء، لکھنے کے ادوار، مولانا نواب صدیق حسن خان صاحبؒ سے قلمی مناظرے اور نہ جانے تاریخ کے کتنے دروازے تھے جو وا ہوتے چلے گئے ۔ایک عجیب بات میں اس مجلس میں نوٹ کی جس کا تعجب آج تک ذہن پر نقش ہے وہ یہ تھی فرمایا، مولانا عبدالحی صاحبؒ اور نواب صاحبؒ دونوں موضع ''کوٹھا'' کے مولانا سید عبداللطیفؒ کے شاگرد رہ چکے تھے ۔ مولانا سید عبداللطیفؒ حضرت سید امیر المعروف بہ حضرت جی کے فرزند ہے ۔حضرت جی بابا امیر عزیمت سید احمد شہیدؒ کے معتمد خاص بزرگ گزرے ہیں ان کی سیرت اور حیات پر صاحبزادہ اشرف صاحب کی ایک ضخیم کتاب بھی

چھپ گئی ہے۔اگر یہ واقعہ سند کے لحاظ سے درست ہوتو صرف کوٹھا اور صوابی ہی نہیں اس اعزاز اور فخر میں پورا ملک شامل ہے۔

أُولئك آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

علم اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی ان کی ہر مجلس کا آغاز بھی کسی علمی گفتگو پر ہوتا اور اختتام بھی ، یہ کوئی مبالغہ نہیں ،حقیقت یہ ہے علم اس کا حال بن گیا تھا۔ ہمیشہ پست آواز میں نرم لہجہ اور مسکراتا ہوا چہرہ اب بھی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے ، کلاس میں ایک دفعہ جمعرات کے دن بہت سارے طلباء نے چٹ لکھے ۔کلاس میں ایسی چٹوں پر عموماً سبق کے متعلق کوئی شکل یا اعتراض ہوتا استاد جی ایک ایک چٹ پڑھتے رہے .....لیکن یہ کیا..... ہر چٹ پر ایک ہی بات ''کوئی شعر ارشاد ہو'' استاد جی نے چٹوں کو جمع کر کے پھاڑ دیا ، اچھلتے ہوئے طلباء کی طرف پھینکا اور فرمایا درس ہے مشاعرہ نہیں۔

کتنے شریں ہے تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

اردو فارسی اور پشتو کے بہترین ادیب تھے۔پشتو شاعری میں ''ازغی دتمنا ، ویژن تصورات، اور بیا در دونہ پہ خندادی "پشتو ادب میں قابل قدر اضافہ ہے جسے انشاء اللہ مدتوں یاد رکھا جائے گا، اردو میں آپ کے مرثیے ''داغہائے فراق'' کے نام سے کئی سال ہوئے چھپ گئی ہے اور اپنے قارئین کا ایک وسیع حلقہ بنادیا ہے، آپ کے والد گرامی صدر المدرسین پر ایک انتہائی علمی اور تاریخی دستاویز بھی آپ کے قلم کا شاہکار ہے، آپ کی زندگی کی آخری نظم ''ماہنامہ الحق'' میں داستان دلکشاء درزمان ،ابتلاء'' کے نام سے شائع ہوئی اور اس کے بعد آپ کا قلم ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگیا ، مولانا فانی صاحب نے اپنی مستعار زندگی کے لمحات پورے کرلئے اور دنیا سے رخصت ہوگئے اپنی زندگی سے انہوں نے علمی دنیا کو جو سبق دیا وہ یہ ہے کہ علم دین کے طالب علموں کو اس وقت جن چیلنجوں کا سامنا ہے اس کے لئے سطحی اور سری انداز نہیں بلکہ ٹھوس اور مضبوط علم حاصل کرنا ہوگا، قلم اور کتاب سے تعلق کا حال یہ ہو۔ لیلیٰ بھی ہمنشین ہوتو محمل نہ کر قبول

اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے ، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆

کس طرح ٹوٹے گا یا رب حلقہ زنجیر غم
آتشیں نالوں سے میرے وہ پگھل سکتا نہیں

(فانی)

مولانا عبدالباری*

یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں

ہوا تھی گو تند و تیز مگر چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے تھے اندازِ خسروانہ

حضرت استاد مولانا محمد ابراہیم فانی رحمہ اللہ نے جس ماحول اور گھرانے میں آنکھ کھولی، وہ ایک علمی، دینی اور مذہبی گھرانہ اور ماحول تھا۔ آپ کے والد ماجد فاضل دیوبند حضرت مولانا شیخ الحدیث عبدالحلیم صاحب صدرالمدرسین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مایۂ ناز استاد الکل گزرے ہیں، جو ابھی تک علمی حلقوں میں صدر صاحب کے لقب سے جانی پہنچانی شخصیت ہیں۔ آپ کا پیدائشی تعلق ضلع صوابی کے علم وفضل میں مشہور ومعروف قصبہ ''زروبی'' سے ہے، جو عرصہ سے علم وعرفان، تصوف وسلوک، قرآن وحدیث کے علوم کا امین رہا ہے۔ اسی قصبہ میں بہت سارے علماء وفضلاء، مفسرین، محدثین، فقہاء اور صلحاء امت گزرے ہیں جو اپنے وقت کے نابغہ روزگار، ماہر فی الفنون اساتذہ واساطین علم تھے۔ ان حضرات کے قافلے کے شہسوار حضرت استاذ مولانا محمد ابراہیم فانی ؒ بھی تھے۔ جب بھی ضلع صوابی کے اہل علم وعرفان، صوفیائے کرام، مصنفین، شعراء اور اہل فن وقلم کا تذکرہ ہوگا، تو حضرت الاستاد کے بغیر ادھورا رہے گا۔ زمانہ حال ہی میں جبکہ علمی وعملی انحطاط روز افزوں ہے، اور قابل قدر ماہرینِ فن واساطین علم یکے بعد دیگرے دنیا سے پردہ فرمارہے ہیں، اور زمانہ "یذهب العلم بذهاب العلماء" کا مصداق بن رہا ہے، ایسے کٹھن اور پرفتن دور میں اگر چہ اصحاب علم وفضل کی ضرورت روز افزوں بڑھ رہی ہے، لیکن خالق کے فیصلے کے سامنے مخلوق کی ہر تدبیر سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے مترادف ہے۔ حال ہی میں استاد محترم حضرت العلامہ محمد ابراہیم فانی ؒ اپنے تلامذہ، خدام ومتوسلین کو سوگوار چھوڑ کر داغِ مفارقت دے گئے۔ ایسی علمی وہم گیر شخصیت کی وفات علمی دنیا کے لئے ایک زبردست المیہ ہے۔

ماكان هلكُ قيسٍ هلك واحدٍ لكن بنيان قوم تهدّما

---

* خادم دارالعلوم رحمانیہ مینئ، وجامعہ عائشہ صدیقہؓ للبنات

اور ایسے اہلِ علم وفضل کے جانے سے جو خلا پیدا ہوجاتی ہے، اسکا پر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ حدیث کا مفہوم ہے کہ عالم کی موت سے اسلام میں ایک دراڑ پیدا ہوتا ہے۔ نیز ارشاد ہے کہ پورے قبیلے کی موت ایک عالم کی موت سے ہلکی ہے۔ لیکن کیا کرے؟ دنیا کا یہی دستور ہے، اور کوئی بھی دنیا میں نہ ہمیشہ رہا ہے اور نہ رہے گا۔

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اللہ کریم سے دست بدعا ہوں کہ حضرت االاستاد کی کروٹ کروٹ جنت الخلد میں داخل فرمادیں ،اور پسماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائیں۔ انشاء اللہ! حضرت استاد کے مایہ ناز خدّام اور تلامذہ آپ کے دینی، تدریسی، تصنیفی مشن کو آگے بڑھانے میں جدوجہد وکوشش کرتے رہیں گے، اور آپ کے علمی ورثے کو محفوظ کرکے آئندہ نسلوں تک منتقل کرتے رہیں گے، جو یقیناً حضرت کے لئے اُخروی درجات کے حصول کا سبب بن کر" مَن صَار بالعلمِ حيًّا، لَمْ يَمُت أبدًا " کا مصداق بنے گا اور آپ کی روحانی تسکین کا ذریعہ ہوگا۔

1990ء میں راقم الحروف نے دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا تو حضرت الاستاذ سے سال اول ہی میں شناسائی ہوئی۔ آپ ہمیں منطق کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ قبل از درس آپ ضرور حاضری لیتے تھے۔ اکثر طلباء لبیک کے بجائے یس سر کہتے تھے، کیونکہ عموماً طلباء سکول وکالج سے پڑھ کر آئے تھے اور سکولوں میں حاضری کے دوران یس سر ہی کہا جاتا ہے، جس سے استاذ محترم کی طبیعت پر گرانی ہوتی، اس لئے طلباء کو سمجھاتے تھے کہ لبیک کہا کریں تاہم بعض طلباء پھر بھی ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہیں، بلکہ بھول کر عادت کی وجہ سے یس سر کہتے تھے جس پر استاد محترم ناراض ہوکر کہتے کہ آپ لوگوں کے دماغ، مرغی کی طرح ہے کہ جلدی بات بھول جاتے ہو۔ اللہ کریم نے تدریس کے ملکہ سے آپ کو نوازا تھا۔ اور آپ طبعی طور پر درس وتدریس کے آدمی تھے، اور تدریس ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ گویا کہ علوم نبویہ اور فنون دینیہ کی تدریس بھی ان کی روح وجان کی اصل غذا اور مدارِ حیات ہے۔ علمی سرمایہ کو مقید کرنے اور آگے پھیلانے اور منتقل کرنے کا سب سے ذو داثر ومؤثر ذریعہ درس وتدریس ہے۔ ہمارے جتنے بھی اکابرین دیوبند واساتذہ کرام اکوڑہ خٹک میں گزرے ہیں ،ان کی شہرت اور علمی عظمت کی وجہ تدریس تھی۔

حضرت الاستاذ کی طرز تدریس انوکھی تھی۔ لمبی لمبی تقریریں اور خامخواہ قیل وقال کی بحث کرنا آپ کی عادت نہ تھی، بلکہ مختصر وقت میں سارے سبق کا خلاصہ قلیل الفاظ میں سمٹ کر بیان فرماتے۔ مشکل سے مشکل عبارت کے حل کرنے میں نہایت سہل انداز سے کام لیتے یہی وجہ تھی کہ غبی سے غبی طالب علم بھی سبق سمجھ لیتا۔ مختصر وقت میں سبق ختم کرکے سیدھے درس گاہ سے باہر تشریف لے جاتے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ہمارے ایک ساتھی جو کچھ بیماری کہ وجہ سے کسلمندی کے شکار تھے۔ ایک دفعہ ایسے وقت میں سبق کے لئے درسگاہ آرہے تھے کہ حضرت الاستاذ

نے سبق ختم کر کے ہم درسگاہ سے واپس جارہے تھے۔

الغرض استاذ محترم نے تادم مرگ اشتغال بالعلم اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھ کر علم کے دریا بہاتے رہے۔آپ اپنی ذہانت ،تبحر علمی ورسوخ فی العلم کی بدولت تمام دینی وعلمی اورعوامی حلقوں میں نہایت مشہور تھے۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ آپ بلند پایا، ادیب ،مصنف اور مؤلف بھی تھے۔آپ اپنے علمی تالیفی کمالات میں اکابرین کے سچے جانشین اوران کا مایہ ناز یادگار تھے،جن پر آپ کی محققانہ مؤرخانہ اورادیبانہ علمی تالیفات وتصنیفات شاہد عدل ہیں۔آپ کے کئی تصنیفات منظر عام پر آچکی ہیں،جن سے علماء اورعوام الناس استفادہ کررہے ہیں۔اور انشاء اللہ یہ کتابیں حضرت الاستاذ کی آئندہ نسلوں سے روحانی رابطے کا ذریعہ ہونگی۔حضرت الاستاذ ، پشتو ،فارسی ، اردو، ان تینوں زبانوں کے بیک وقت قادرالکلام شاعر تھے۔ میں ایک ڈاکٹر کے پاس بیٹھا تھا جو کہ ڈاکٹری کے ساتھ ساتھ شاعری کا مشغلہ بھی رکھتے تھے۔اس نے کہا کہ حضرت فانی صاحب پشتو زبان کے وہ واحد شاعر ہیں جس کا فارسی زبان میں مجموعہ چھپ کے آرہا ہے، جبکہ اورحضرت الاستاد کے کئی شعری مجموعے منظر عام پر آچکی ہیں۔

بایں علم وفضل اور ہمہ کمالات سے متصف ہونے کے باوجود حضرت الاستاد عادات واطوار کی سادگی میں خود اپنی مثال آپ تھے ہرقسم کی تکلیف سے دور رہتے۔گفتگو طرز کلام میں کوئی تصنع نہ تھا۔سادہ وضع کے کپڑے پہنتے تھے۔لباس میں کسی قسم کے ترفہ وتصنع سے کام نہ لیتے۔اپنے شاگردوں کے ساتھ حدود کے اندر انتہائی شفیقانہ رویہ رکھتے تھے۔آپ نہایت خاکسار اور شریف الطبع قسم کے آدمی تھے۔طبیعت میں ظرافت بھی تھی لیکن ایسا برمحل استعمال کہ آپ کے رعب وادب میں کوئی کمی نہ آتی۔ ہمارا ایک رشتہ دار جس کا نام گوہر زمان ہے،اس کا حضرت الاستاذ کے ساتھ زمانہ طالب علمی میں بہت تعلق تھا۔درجہ خامسہ کے سال جبکہ ہم حضرت الاستاد سے متنبّی پڑھ رہے تھے،آپ ہمارے کمرے تشریف لے آئے کمرے میں کئی ساتھی تھے۔مولوی نقیب احمد جہانگیروی بھی موجود تھے۔تو انھوں نے ہنس کر حضرت الاستاذ سے کہا کہ مولوی گوہر نے گناہ کبیرہ وصغیرہ دونوں سے توبہ کی ہے اس جملہ سے ساری مجلس بہت محظوظ ہوئی۔

ایک دفعہ میں نے حضرت سے کہا کہ چائے کے لئے ہمارے کمرے میں تشریف لے آئیں حضرت نے اثبات میں سرہلایا کہ میں آرہا ہوں میں کمرہ جا کر نہایت پریشان ہوا کہ کمرے میں کوئی ساتھی نہیں، کیونکہ چائے کے ساتھ عدم ذوق کی وجہ سے چائے بنانا مجھے نہیں آتا، تاہم! ساتھ والے کمرے کے ایک ساتھی سے رہنمائی حاصل کر کے چائے میں نے بنائی۔معلوم نہیں چائے کیسی تھی تاہم حضرت الاستاد نے نوش فرمائی۔

زمانہ طالب علمی کے بعد بھی کبھی کبھار حضرت الاستاد سے ملاقات ہوتی تھی۔نہایت محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے۔آپ کا ہنس مکھ اور پرنور چہرہ دیکھ کر ہمارا دل خوشی سے جھوم اٹھتا۔حضرت نے میری پہلی تالیفی اور

تصنیفی کاوش ''تقویٰ واہل تقویٰ'' پر شاندار تبصرہ بھی لکھا تھا، جو یقیناً میرے لئے اعزاز ہے۔آپ تحریری وتالیفی میدان میں اپنے شاگردوں کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے، اور اس میدان میں قدم رکھنے پر مبارک باد پیش کر کے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے تھے۔

حضرت الاستاذ کے ساتھ اس عاجز کی بہت ساری یاداشتیں وابستہ ہیں۔حضرت کا میرے والدمحترم (جو کہ حقانیہ کے فضلاء میں سے ہیں، اور حضرت الاستاذ کے ہمنوا بھی تھے) کے ساتھ اچھا تعلق تھا۔ملاقات کے دوران ضرور مجھ سے میرے والد صاحب کی خیریت دریافت فرماتے تھے حضرت کی علالت کا علم پہلے سے تھا، لیکن شدت مرض کی خبر اکوڑہ خٹک ہی میں ہوئی۔وہاں ایک صاحب نے کہا کہ حضرت کا شوگر بہت ہائی ہے، جس سے آپ کے دونوں گردے بھی متأثر ہیں۔یہ جانکاہ خبر سن کر نہایت پریشانی ہوئی اور بہت شدت کے ساتھ ملاقات وبیماری پرسی کی خواہش دل میں پیدا ہوئی۔حضرت حیات آباد کمپلکس ہسپتال کے کڈنی سنٹر میں زیرعلاج تھے۔آپ کے انتقال پرملال سے دودن قبل مولانا عصمت اللہ لکی مروت بھائی، بختیار مینوی اور راقم اثیم ہم تینوں ہسپتال گئے، لیکن حضرت الاستاد کی حالت دیکھ کر پریشانی میں اور اضافہ ہوگیا۔ہم اپنے اس استاد کے سامنے ایسی حالت میں کھڑے تھے کہ کسی زمانے میں جب آپ کے سامنے آجاتے، تو مصافحہ پر اکتفاء کئے ہوئے بغیر پرجوشیلے انداز میں معالقہ کرتے اور ایک سانس میں کئی باتیں کرجاتے۔لیکن وہی شخصیت ایسی خاموش کہ ہمارے آنے سے بے خبر۔ وہاں موجود حضرت الاستاد کے صاحبزادہ اور شاگردوں سے ہم نے پوچھا کہ حضرت کی بیماری کا کیا حال ہے؟ وہ نہایت مطمئن تھے کہ ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ حضرت جلد ہی روبہ صحت ہوجائیں گے۔تاہم! حضرت کی ظاہری خدوخال دیکھ کر دل کو یہ باور کرانا مشکل تھا۔ایسا لگتا تھا کہ حضرت الاستاد بہت جلد ہی دنیا کی سرحد کو پار کر کے آخرت کے میدان میں پہنچ جائیں گے۔بلاریب! موت وحیات اس عالَمِ کون وفساد کا خاصہ ہے۔زندگی موت کی تمہید ہے۔یہاں کا مقیم کل کا مسافر ہے۔اللہ کا تکوینی فیصلہ ہے'' كلُّ نفس ذائقة الموت'' سے نہ نبی مستثنیٰ ہے، نہ ولی، نہ عالم اور نہ جاہل، سب نے موت کا پیالہ چھکنا ہے۔

بدھ کے دن کسی نے موبائل پیغام پر یہ جانکاہ خبر بھیجی کہ حضرت الاستاد محمد ابراہیم فانی وفات پاگئے۔ان کا پہلا جنازہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں ادا کیا جائے گا اور دوسرا اپنے گاؤں زروبی میں۔گویا حضرت الاستاد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے ایسے جدا ہوگئے کہ اگر سمندر کو کھنگال لائے تو بھی نہیں ملیں گے ؎

چل دیئے آخر زبانوں یہ کہانی چھوڑ کر
عالَمِ باقی کی جانب دارِ فانی چھوڑ کر

☆ ☆ ☆

جناب شیرزادہ *

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

چند دن پہلے پاکستان، بالخصوص خیبر پختونخوا کے علمی وادبی حلقوں کو سوگوار بنا کر دیوبند ثانی جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کا ایک مایہ ناز فرزند، مشاق مدرس، مشتاق ادیب، کہنہ مشق شاعر، پیکر صدق واخلاص، صوبہ بھر کے استاد العلماء اور سابق صدر المدرسین جامعہ حقانیہ حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ کے صاحبزادے، حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی مختصر علالت کے بعد اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ ان کی موت کا ماتم تنہا دارالعلوم حقانیہ یا زروبی کا ماتم نہیں، پوری ملتِ اسلامیہ کا ماتم ہے۔ اخلاق، شرافت، سنجیدگی، علم وادب، قرطاس وقلم، شعروغزل اور فضل وکمال کا ماتم ہے۔

مرثیہ ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا

وما کان قیس ھلکه، ھلك واحد ولکنه بنیان قوم تھدما

مرحوم کا شمار ان گنے چنے علماء میں ہوتا ہے، جنہوں نے بہت کم عمری میں علمی پختگی کے شاندار معرکے سر کئے، دیوبند سے وابستہ علمی حلقوں میں زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شعروشاعری میں نفاست، روانی، آمد اور زبان و بیان میں طلاقت وسلاست سے متصف تھے، اسی طرح الفاظ و معانی کے انتخاب میں حد درجہ مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے بڑے بڑے علماء کو شعری زبان میں خراج عقیدت پیش کیا، ان کی تاریخہائے وفات کو بہت عقیدت کے ساتھ درد بھرے معنی خیز اور نصیحت آموز قطعات میں بیان کئے۔ ملک بھر کے بلند پایہ رجالِ فن اور جبال علم علماء کی مجالس ومحافل سے فیض یاب ہوئے اور خود ان کو بھی اپنے علمی وادبی رسوخ وتجربے سے فائدہ پہنچایا۔ دارالعلوم حقانیہ جیسے مرکز علم و العلماء کی مرکزی ومعیاری حیثیت اور مقام و مرتبہ نے ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشی، اور کم عمری ہی میں آسمانِ علم وفضل کا تابندہ ودرخشاں، منور وضوفشاں ستارہ بن گیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی کرامات تھیں کہ ملک بھر سے بہترین دماغ کے مالک اور اعلیٰ وارفع ذہنی صلاحیتوں کے اصحاب ان کے قائمہ کردہ اس عظیم درسگاہ میں جمع ہوئے، ایسے عظیم رجال کار کہ ان میں سے ہر ایک بجائے خود ایک پوری جماعت پر بھاری اور اپنی ذات سے ایک انجمن تھا۔ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد فرید صاحبؒ اور صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم

* پرنسپل گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول مدین سوات

زروبویؒ کا نام اس خطے میں ایسا کون ہے جس نے نہیں سنا ہوگا۔ مولانا عبدالحقؒ کی کرامات ہیں اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی حسنِ قیادت اور مثالی رہبری ہے کہ آج بھی جامعہ حقانیہ ملک وملت کی علمی' سیاسی ادبی اور روحانی رہنمائی میں قائدانہ کردار ادا کررہا ہے۔ جان جوکھوں میں ڈال کر انسانیت کے خونِ مقدس کی حفاظت اور ظلم و بربریت' سفاکی اور درندگی کو روکنے کی سعی مشکور فرمارہے ہیں۔

تاریخ ایک طرف اس کی فضاؤں میں درس وتدریس کے زمزمے محفوظ کررہی ہے' تو دوسری طرف اس کی ادبی وتحریری کمالات کو حیطہء تحریر میں لارہی ہے اور اس کی علمی انجمنوں' بیٹھکوں' مجالس ومحافل کو حرزِ جان بنارہی ہے۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی بظاہر تو یہاں سے اٹھ کر اپنے بزرگوں اور اساتذہ کی تلاش میں دور کہیں نکل گئے ہیں' مگر ان کے علمی مذاکرے' شعری زمزمے' تحریری شذرے' ادبی چٹخارے اور بے مثال احبابی دھرنے یادرہیں گے۔

لعمرك ماوارى التراب فعاله ولكنها وارى ثيابا وأعظما

تعجب ہے قبر فانیؔ پر کہ اس نے کس طرح علم کے اس پہاڑ کو اپنی تنگنائیوں میں سمویا۔

ويا قبر فانى[1]، كيف واريت جوده وقد كان منه البر والبحر مترعا

حقانیہ کی افسردہ فضاؤں اور پژمردہ صبح وشام سے کوئی پوچھیں کہ مفتی محمد تقی عثمانی آئیں گے' ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنی' مفتی غلام الرحمٰن' مولانا عبدالقیوم حقانی اور قاری محمد عبداللہ جمع ہوں گے' تو مولانا محمد ابراہیم فانی کو اب کون مجلس میں شرکت پر آمادہ کرے گا؟ جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب کی حرمین میں سنائی عشق ومحبت کی والہانہ نعت اب انہیں کون دردبھری آواز میں سنائے گا۔ اور فانیؔ کے تخلص کے ساتھ کون فنا فی اللہ کی باتیں نظم کرے گا؟

اب بزمِ علم وفن نظر آئے نہ کیوں بے نور سی جس سے روشن تھا چراغِ علم وفن جاتا رہا

ہائے! ہم فانی کو صرف ان کے تخلص اور ایک لفظی کھیل تماشا سمجھ بیٹھے تھے' ہمیں کیا خبر تھی کہ فانی کو اتنی جلدی ہے اور منزل پہ پہنچنے میں انہیں دیر ہورہی ہے' حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی کی کتابوں پر تبصرے ''نقوش حقانی'' پڑھتا ہوں تو ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملے پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شانِ حضورؐ میں والہانہ اور بے ساختہ زبان سے کہی ہوئی نعتوں کو پڑھ کر' دربارِ نبویؐ سے ان کے تعلق پر عش عش کر اٹھتا ہوں۔

تصنیف وتالیف:

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؔ اعلیٰ پائے کے علمی ادبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے' ان کے والد صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ حضرت

---

(۱) اصل شعر میں ''فانی'' کی بجائے ''معن'' ہے

مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ جیسے اساطین علم کے شاگرد تھے۔منبع فیض دارالعلوم دیوبند کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس کے فارغ التحصیل درس و تدریس' خطابت ادب اور تحریر و تصنیف کے میدانوں کے شہسوار ہوتے ہیں' چنانچہ یہ سب خوبیاں صدرالمدرسین میں جمع تھیں اور وہاں سے مولانا فانی کو وراثت میں ملیں۔اسی طرح مولانا محمد ابراہیم فانی کی بہترین تربیت ہوئی اور وہ حقانیہ کے سینئر مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ تحریر و تقریر' ادب' تصنیف و تالیف' تدوین و تادیب کے ماہر فن اور یکتائے زمانہ تھے۔انہوں نے پہلی تصنیف اپنے والد محترم حضرت مولانا عبدالحلیمؒ متوفی ۱۹۸۳ء پر لکھنے سے شروع کی' ان کی یہ پہلی تصنیف ۱۹۹۰ء کو منظر عام پر آئی۔اس تصنیف میں انہوں نے بہت اعلیٰ مہارت' فنی رسوخ' زبان پر عبور اور عمدہ ترتیب و تدوین کا مظاہرہ کیا۔یہ کتاب دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے' میری خوش قسمتی ہے کہ یہ کتاب مجھے حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی نے اپنے کتب خانے سے عنایت فرمائی اور اپنے محبوب دوست فانی کے ساتھ والہانہ محبت و تعلق کے ناطے مجھ ناچیز کو لکھنے پر ابھارا۔حضرت حقانی کو اللہ تعالیٰ نے اکابر و اصاغر سے نزدیک ترین تعلق قائم رکھنے کا بہت اعلیٰ ذوق عطا فرمایا ہے۔اس مصروف ترین دور میں فون پر اور خطوط کے ذریعے تعلق کو جوڑے رکھتے ہیں۔یہ تعلق اتنا پکا اور مضبوط ہوتا ہے کہ مرنے والوں سے بھی بصورتِ دعا' تحریر' نثری مرثیوں اور لواحقین سے قریبی رابطوں کے ذریعے ہمیشہ جڑا رہتا ہے۔اب کی بار مولانا فانی کو حقانی صاحب برابر یاد فرماتے رہتے ہیں اور زبان حال سے بتاتے رہتے ہیں کہ ع رفتید ولے نہ از دلِ ما

اسی طرح مولانا عبدالقیوم حقانی کی کتابوں پر انہوں نے وقتاً فوقتاً جو تبصرے اپنے گہربار قلم سے قرطاس پر منتقل کئے وہ بعد میں ''نقوش حقانی'' کے نام سے چھپ گئے۔یہ تبصرے بجائے خود ایک علمی خزانہ اور بکھرے لعل و جواہر ہیں جو ایک سچے اور محبّ صادق ساتھی نے دوسرے صدیق مکرم کو پیش کئے ہیں۔مولانا حقانی نے جو کچھ لکھا اس کی تو ایک دنیا معترف ہے مگر فانی مرحوم نے جس ذوق وشوق اور دل کی گہرائیوں سے انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے وہ ایک علمی و ادبی متاعِ گرانمایہ ہے۔تبصرے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے دوست کے کام کو اجاگر کرتے ہوئے بین السطور انہوں نے بلاقصد اپنے علم و فضل کو منظر عام پر لایا ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

''نقوش حقانی'' کے پیش لفظ میں فانی نے جو کچھ لکھا ہے' وہ قلم پر ان کی گرفت اور ایک مشتاق و باکمال ادیب ہونے کی دلیل اور ایک صاحب کرامت و پارسا شخصیت ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ملاحظہ ہو:

''آخر میں اپنے معزز قارئین سے اجازت چاہتا ہوں اس دعا کیساتھ کہ اللہ تعالیٰ برادرم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کو مزید لکھنے کی توفیق ارزانی فرمائے کیونکہ ابھی آپ کی عمر بھی شباب پر ہے اور قلم پر بھی بہار ہے۔

حیات مستعار کے یہ بہترین لمحات اگر قوم و ملک اور دین و ملت کی تعمیر و ترقی میں گزر جائیں تو یہ نہ صرف عظیم الشان ملی خدمت ہے بلکہ باعث اجر و ثواب عبادت اور جہاد ہے۔

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
برسوں مجھے گلشن کی فضا یاد رکھے گی

غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جانے والے کے الوداعی کلمات ہیں جو غیر ارادی طور پر ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں اور دکھ درد و غم و اندوہ کے موجودہ لمحات میں ان کا پیام تازہ معلوم ہو رہا ہے۔

فانی کی شعر و شاعری:

علماء دیوبند کا ایک امتیازی وصف ان کا ادبی ذوق اور بلند پایہ شعری رجحان و میلان ہے' چنانچہ اس سلسلے میں تقریباً سب بڑے بڑے جبال علم نے باقاعدہ طبع آزمائی فرمائی۔ حضرت مولانا اعزاز علی کی ادبی مہارت کسی سے مخفی نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے آپؒ کی شان میں ''قصیدہ بہاریہ'' کہہ کر آپؒ کے ساتھ عشق و محبت کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا شرف علیؒ نے بھی شعر میں طبع آزمائی فرمائی ہے' مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے آپؒ کی شان اقدس میں قصیدے پیش کئے' اس شان کے ساتھ کہ عرب بھی ان کی اعلیٰ ادبی اور فنی مہارت کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہے' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور ان کے فرزندان ارجمند زکی کیفیؒ اور مفتی محمد تقی عثمانی نے بھی شعر میں طبع آزمائی کی۔ تقی عثمانی صاحب نے روضہ اقدس پر جو قصیدہ پیش کیا ہے' وہ ان کے عشق رسول میں شوریدگی کی دلیل ہے۔ زکی کیفیؒ تو بڑے مشتاق شاعر گزرے ہیں' ان کا مجموعہ شعر و غزل ''کیفیات'' کے نام سے چھپ گیا ہے۔ ہمارے بچھڑے محترم مولانا فانی اردو' پشتو' عربی اور فارسی چاروں زبانوں میں باکمال شاعر تھے' ان کے شعری مجموعے قبولیت کا مقام پا چکے ہیں۔ چند ایک شعری مجموعے یہ ہیں: ''نالہ زار''، ازغی دتمنا''، داغہائے فراق''، ویرژن تصورات، ''بیا دردونہ پہ خندادی''، ''شاہین دَ تخیل'' اردو مجموعہ کلام' دپختو غزلیا تو مجموعہ'' اردو' فارسی اور عربی مرثیوں کا مجموعہ' پشتو شاعری کا مجموعہ' پشتو غزلیات کے تین مجموعے۔

اس وقت میرے سامنے ان کا پشتو غزلیاتی مجموعہ بنام ''شاہین دَ تخیل'' موجود ہے' اس کے پہلے صفحے پر ان کا یہ شعر ان کے اعلیٰ شعری ذوق پر دلالت کرتا ہے۔

جوڑہ ھنگامہ وہ تماشی تہ مِ خلقت ولاڑ وخت چی خیژ ولی ز پہ دار وُم خوتانہ لیدم

اگر میں اس شعر کا اردو ترجمہ پیش کرنے کی بجائے درج ذیل فارسی شعر پیش کروں تو زیادہ موزوں ہوگا۔

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست تو نیز برسرِ بام آ کر خوش تماشائیت

انہوں نے اپنے والد محترم حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ کو شعری زبان میں مختلف اوقات میں جو نذرانے پیش

کئے ہیں ان کا ہر ایک شعر انتخاب ہے' مگر بطور نمونہ ذیل کے چند اشعار ملاحظہ کر کے ان کے شعری ذوق کی داد دیجئے۔ یہ اشعار انہوں نے اپنے والد کی جدائی میں کہے ہیں' جو آج خود ان کے فراق پر ساماں باندھ رہے ہیں۔

وہ کیا دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد نہیں — وہ کیسے لب ہیں جن پہ نوحہ وفریاد نہیں
شکوہ سنجی پر اتر آئے ہیں اے پیر فلک — اسیرِ دام کو کیوں شکوہ صیاد نہیں
تیرے حضور یہ نذرانہ لے کے آیا ہوں — غمِ فراق سے فانی ترا آزاد نہیں
آہ! کسی کی موت پر یہ نالہ وشیون ہے آج — حیف کس کے ہجر کے نوحہ پر تر دامن ہے آج
کس کی رحلت سے متاع اہل دانش لٹ گئی — کس کے جانے سے خزاں منظر یہی گلشن ہے آج
دم گرفتہ درگلو ہے خوشنوائے عہد گل — حسرتا خاموش وہ فانوس علم و فن ہے آج
آہ فانی رفت از دنیائے دوں شیخ زمن — خاک کی آغوش میں خوابیدہ اک مخزن ہے آج
اب کہاں وہ بزمہا وحلقہ ہائے علم و فن — حسرتا ایسی محافل سے ہوئے محروم ہم
فانی بیچارہ اُف یہ کون زیرِ خاک ہے — درحقیقت نازش اہل عرب فخرِ عجم

تیری تربت پر چراغِ طور نور افشاں رہے
حشر تک تو ہم نشین رحمت یزداں رہے

مولانا عبدالقیوم حقانی سے والہانہ تعلق:

فخر حقانیہ' ادیب شہیر اور نابغہ روزگار شخصیت حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی اور مولانا محمد ابراہیم فانی کا ایک دوسرے کے ساتھ سگے بھائیوں جیسا تعلق رہا ہے' تصنیف و تالیف کے میدان میں دونوں نے ایک ساتھ قدم رکھا' چنانچہ اول الذکر نے حضرت شیخ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے آمالی ترمذی کو ''حقائق السنن'' کے نام سے مرتب کئے' توضیح السنن اور شرح شمائل ترمذی کو مرتب کیا اب صحیح مسلم کی شرح کا ۱۶ جلدوں میں شائع کرنے کا انتظام ہو رہا ہے' دفاع امام ابوحنیفہؒ کو دیوبند سے سراہا گیا' ارباب علم و کمال اور پیشہ رزق حلال پر نیشنل بک فاؤنڈیشن نے تعریفی سرٹیفکیٹ دیا۔ ان سب اور ان کے علاوہ کئی دیگر کتب پر مولانا فانی نے منظوم ومنثور کلمات کہے۔ مولانا فانی نقوش حقانی میں لکھتے ہیں: ''برادر محترم حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی اور راقم السطور مادر علمی دارالعلوم حقانیہ میں موقوف علیہ اور دورہ حدیث شریف میں ہم سبق رہے ہیں' اور یہ حسن اتفاق کہ یہاں دارالعلوم میں سات آٹھ سال سے تدریسی ہم سفر بھی ہیں۔

ماومجنون ہم سبق بودیم در دیوان عشق — او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

بنابریں تعلق جس دن میں نے اخبار میں وفات فانی کی المناک خبر پڑھی' تو حضرت حقانی ہی کو تعزیت کا مستحق سمجھا

کہ وہ ہی ان کے ہم دم دیرینہ اور صحیح واقف حال تھے۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مر گیا آخر کو زمانے پر کیا گزری

تحریر میں ادبی تنقید کی جھلک:

مولانا محمد ابراہیم فانی بے شک بہت بڑے شاعر و ادیب تھے، مگر ساتھ ساتھ ان کی تحریر میں ادبی تنقید کی جھلک بھی موجود ہے ملاحظہ ہو:

''مولانا حقانی کی اردو تحریروں خصوصاً ان کی زیر بحث کتاب ''ارباب علم و کمال'' میں ایسے مرکب الفاظ بکثرت ملتے ہیں، جو صفت و موصوف اور مضاف و مضاف الیہ سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان مرکبات اضافی و توصیفی نے مولانا کی تحریروں اور عبادتوں میں نہایت شرینی اور خوبصورتی پیدا کی ہے، مسلمہ اردو، ادیبوں کی تحریروں میں ایسے مرکبات بکثرت پائے جاتے ہیں، ان مرکبات سے اردو ادب میں وسعت اور حسین اضافہ ہوا ہے، اور ادیبانہ اور فطری ذوق کے لئے یہ موجب تسکین بھی ہیں، اس قسم کی ترکیبات کے موجدوں میں غالب، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفر علی خان کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غالب نے جو بہت سی ترکیبیں ایجاد کی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں، مثلاً موجِ خرام یار، دلفریبیٔ انداز نقش پا، بت مشکل پسند، جلوہ زارِ آتش دوزخ وغیرہ''

صحبت یار آخر شد:

یہ مولانا فانی کا تجویز کردہ عنوان ہے جو آج خود ان کے لئے استعمال ہو رہا ہے، ملاحظہ ہو ''اور یہ بھی ایک عجیب لطیفہ ہے کہ جب حضرت الشیخ کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو برادر مکرم مولانا حقانی اور راقم کچھ تذکرہ کر رہے تھے، اس میں ذکر ان ملاقاتوں کا آیا جو کہ آپ بعد العصر حضرت الشیخؒ کی بابرکت مجلس میں حاضری میں کیا کرتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ اب تو اس سلسلہ میں قارئین ''الحق'' محروم ہو جائیں گے۔ پھر راقم نے مولانا کو عرض کیا کہ اس آخری صحبت کا عنوان یہ رکھ دیں ''صحبت یار آخر شد'' اور یہ عنوان بندہ (فانی) نے آپ کو اس شعر سے مستعار لے کر کہا: حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد (نقوش حقانی ص:۵۶)

چنانچہ راقم التحریر مولانا فانیؒ کے درجہ بالا الفاظ بلاکم و کاست خدان کیلئے بطور ''بضاعتنا رُدت الینا'' استعمال کر رہا ہے اور آخر میں مولانا سید سلیمان ندوی کے ان اشعار کے ساتھ اجازت چاہتا ہے:

رحمت اللہ علیك خیر اخلاف الکرام نم قریر العین فی قبرك الی یوم القیام

کنت فی الدنیا سلاما صرت فی دار السلام امسکت الموت خطیب القوم حسان الکلام

ع آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے